”چاکیواڑہ میں وصال“: کرداری مطالعہ

"Visaal in Chakiwara": A Character Study

ڈاکٹر سائرہ ارشاد* / ڈاکٹر شہاب صفدر**

Abstract:

Muhammad Khalid Akhtar is a great novelist. The fascinating thing in his novels that captivates the reader is the human characters and their colorfulness. Muhammad Khalid Akhtar has portrayed the characters in his novels in such a sympathetic way that the reader gets into the depth of the study. Muhammad Khalid Akhtar has presented the eternal and eternal friendship of the main characters in the novel "Chakiwara Mein Wasal" in terms of humor, while the sub-characters have also left subtle jokes. Overall, Muhammad Khalid Akhtar has written the novel "Thanks to the unique and heartwarming characters in Chakiwara Vasal, the tradition of character-writing in Urdu literature has been revived.

Keywords: Slow humor, foreign language, assemblyman, Western studies, subtle satire, form of contradiction, joy and expansion.

تلخیص:

محمد خالد اختر ایک عظیم ناول نگار ہیں۔ انھوں نے طنز و مزاح کے پیرائے میں اپنے فنِ تخلیق کو اجاگر کیا۔ ان کے ناولوں میں مسحور کرنے والی چیز جو اپنے پڑھنے والے کو اپنے سحر میں جکڑ لیتی ہے، وہ انسانی کردار اور ان کی رنگا رنگی ہے۔ محمد خالد اختر نے اپنے ناولوں میں موجود کرداروں کی تصویر کشی اس قدر ہمدردانہ انداز سے کی ہے کہ قاری مطالعے کی گہرائی میں اتر

*اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اردو، گورنمنٹ صادق کالج ویمن یونی ورسٹی بہاول پور

**شعبہ اُردو، الحمد اسلامک یونیورسٹی، اسلام آباد

جاتا ہے۔ محمد خالد اختر نے ناول "چاکیواڑہ میں وصال" میں مرکزی کرداروں کی لازوال اور ابدی دوستی کو مزاح کے پیرائے میں پیش کیا ہے جب کہ ذیلی یا ضمنی کرداروں نے بھی مزاح کے لطیف چٹکلے چھوڑے ہیں۔ مجموعی طور پر محمد خالد اختر نے ناول "چاکیواڑہ وصال" میں منفرد اور دلچسپ کرداروں کی بدولت اردو ادب میں کردار نگاری کی روایت میں جاندار اضافہ کیا ہے۔

کلیدی الفاظ: دھیما مزاح، اجنبی زبان، مجمع باز، مغربی علوم، لطیف طنز، صورتِ تضاد، فرحت و انبساط

افسانوی ادب میں کردار کی اہمیت سے کسی صورت انکار ممکن نہیں۔ داستانی مثنوی ہو یا منظوم قصے، ڈرامہ ہو یا مختصر افسانہ کہانی کی کوئی بھی شکل ہو، جہاں کوئی قصہ یا کہانی ملیں گے وہاں ضرور کچھ اشخاص کا ہونا لازمی ہے اور ہماری دلچسپی بھی ایسے ادب کی طرف خود بخود وابستہ ہو جاتی ہے جہاں واقعات کے ساتھ ساتھ اشخاص کے ردِ عمل اور ذہن و مزاج کا مجموعی تاثر موجود ہو۔ قصے اور کہانی کے ان اشخاص کو اہم کردار کہتے ہیں اور ان کی پیشکش کے فن کو کردار نگاری کہا جاتا ہے۔

محمد خالد اختر ایک ایسے صاحب اسلوب اور منفرد شخصیت کے حامل ادیب ہیں جنھوں نے افسانہ، ناول، سفر نامہ، خطوط، مزاح نگاری اور پیروڈی کی اصناف میں بے شمار تخلیقی جوہر دکھائے۔ ان کی تحریروں نے ہر نئے پڑھنے والے کی ادبی تربیت و تنقیدی شعور پیدا کیا۔ محمد خالد اختر کا دھیما مزاح اور اسلوب قاری کو اپنے اندر جکڑ لینے اور پڑھنے پر مجبور کرتا ہے۔ اردو ادب میں ان کی پہچان طنز و مزاح کی نئی تکنیک کا لطیف استعمال ہے۔ یہی فن ہمیں ان کی تمام تصانیف میں نہایت خوشگوار انداز میں ملتا ہے جو قاری کو متبسم ہونے پر مجبور کر دیتا ہے۔ محمد خالد اختر ایک عظیم ناول نگار ہیں جنھوں نے طنز و مزاح کے پیرائے میں اپنے فنِ تخلیق کو اجاگر کیا۔ انھوں نے نیا اور اچھوتا اسلوب نگارش متعارف کرایا۔ ان کے ناولوں میں مسحور کرنے والی چیز جو اپنے پڑھنے والے کو اپنے سحر میں جکڑ لیتی ہے، وہ انسانی کردار اور ان کی رنگا رنگی ہے۔ محمد خالد اختر نے اپنے ناولوں میں موجود کرداروں کی تصویر کشی اس قدر ہمدردانہ انداز سے کی ہے کہ پڑھنے والا اس مطالعے کی گہرائی میں اتر جاتا ہے۔

محمد خالد اختر نے نویں جماعت سے ہی انگریزی کا مطالعہ شروع کر دیا تھا۔ اس لیے ان کی تخلیقات انگریزی ادب کی جھلک واضح طور پر نظر آتی ہے۔

محمد خالد اختر کے ناول "چاکیواڑہ میں وصال" کو اردو کا بہترین ناول قرار دیتے ہوئے اس پر فلم بنانے کی بھی خواہش ظاہر کی گئی۔ یہ ایک عجیب قسم کا ناول ہے جس میں "چاکیواڑہ" کراچی کی ایک مشہور و معروف بستی کا

ذکر شامل ہے۔ کوئی عام آدمی اس علاقے کا جائزہ لے تو اسے سوائے بے ترتیبی، گندگی، ریڑھیوں، لکڑیوں کے ٹالوں، ٹرام لائن کی گڑگڑاہٹ اور بھیڑ اور مجمع بازوں کے شور کے اور کچھ بھی دکھائی نہیں دیتا۔ محمد خالد اختر نے اپنے فن کے کمالات دکھائے اور اس بستی کو ایسا رومانوی انداز دیا جو ایڈونچر سے بھرپور ہے۔ ان کی تحریر اور انداز بیا ں میں منفرد، دلچسپ اور انوکھی چاشنی ملتی ہے۔ بقول فیض احمد فیض۔:

> "بھئی ہم کو تو محمد خالد اختر کی تحریر پسند ہے اور ہم تو "چاکیواڑہ میں وصال" کو اردو کا عظیم ناول سمجھتے ہیں۔"[۱]

محمد خالد اختر کا سب سے بڑا فن یہ ہے کہ انھوں نے مغربی علوم کا گہرائی سے مطالعہ کیا اور اس کی بدولت مشرقی زندگی کو پہچانا۔ ان کے ناول "چاکیواڑہ میں وصال" کے دو مرکزی کردار ہیں۔ ناول کا ہیرو مصورِ فطرت، شاہِ اسرار شیخ قربان علی کٹار گوجرانوالوی اور اس کے ساتھ ناول کا دوسرا مرکزی کردار اقبال چنگیزی بیکری والا ہے جس کی زبانی کہانی کو بیان کیا گیا ہے، وہ مینجنگ ڈائریکٹر اللہ توکل بیکری والا کہلانا پسند کرتا ہے۔ اقبال چنگیزی مصنفین کو پسند کرتا ہے اور ان سے ایک خاص قسم کی عقیدت رکھتا ہے۔ انہیں کھانا کھلانا، ضروریات کا خیال رکھنا، اپنے کپڑے ادھار دینا اور ہر بیوقوفانہ واحمقانہ منصوبے ومشورے میں شامل ہونا، زندگی کا مقصد ہے۔

"چاکیواڑہ میں وصال" میں قدم قدم پر لطیف طنز کا عنصر ملتا ہے۔ شیخ قربان علی کٹار اور اقبال حسین چنگیزی جو خود کو ایس-کیو علی کٹار اور آئی-ایچ چنگیزی کہنا پسند کرتے تھے۔ ان دو مرکزی کرداروں پر مشتمل یہ ناول آغاز سے اختتام تک مزاح پر مبنی ہے۔ چند ذیلی کرداروں میں مجمع باز پروفیسر شہوار خان، جو جنات کی علم رکھتے ہیں اور ان کے ساتھیوں میں ایک سینگوں والا سیاہ بکرا جس کا نام ملاّ عبدالہدیٰ، ایک بندر یا سرخ لہنگا پہنے جس کا نام مس میسی تھا اور تیسرا ساتھی ریچھ تھا۔ انہی ساتھیوں میں ایک چوتھا ساتھی قربان علی کٹار تھا جو بعد میں اقبال حسین کا دوست بنا۔ پروفیسر شہوار کے ساتھی دراصل نافرمان جنات ہیں جن کو پروفیسر نے سزا کے طور پر جانوروں کا روپ دیا ہوا تھا (اور اس کے علاوہ) شیخ قربان علی کٹار جو خود کو بہت بڑا جاسوسی ناول نگار سمجھتا ہے، ناول میں اس کا تذکرہ کچھ یوں بیان کیا گیا ہے:

> "ناول نویسوں کے استاد کے کمرے میں آدمی کے آنکھیں کتابوں کی بے سود تلاش کرتی تھیں۔۔۔۔ شیخ قربان علی کٹار اپنے اسکول کے دنوں کے بعد۔۔۔۔ کبھی کچھ نہیں پڑھا تھا وہ اس کا صاف گوئی سے اقرار کیا کرتا، مگر اس کوتاہی کی صفائی میں یہ ظاہر کرتا کہ قوتِ تخلیق خدا کی دَین ہے۔ اور دوسروں کی کتابیں پڑھنے سے فنکار اپنے اسلوب کی جدت اور تازگی کھو

بیٹھتا ہے۔ اس کی گفتگو اس کے مطالعہ اور مشاہدہ کے ہولناک فقدان کی وجہ سے حد درجہ عامیانہ اور غیر ادبی ہوتی اور اس کی دماغی نشو و نما غالباً اس وقت رک گئی تھی جب وہ آٹھویں جماعت میں پڑھتا تھا۔ مصنفوں کے ناموں تک سے اسے آشنائی تک نہ تھی اور اسے ان سے ایک ضد سی تھی---وہ اپنے آپ کو مصنف کی حیثیت سے ایک قسم کا بورژوا یا رئیس تصور کرتا تھا اور دوسرے مصنفین کو محض پرولتاریت کے افراد جن پر محض "ناک سڑکانا چاہئیے۔۔۔ترقی پسندوں کا ذکر اس کے اعصاب کے حق میں ضرور اور خطرہ سے خالی نہ تھا بلکہ ان مصنفوں کا ذکر بھی جو ترقی پسند نہ تھے۔۔۔ خاص طور پر جلال کے نام پر تو اس میں مرگی کے دورہ کی سب علامات ظاہر ہو جاتیں۔۔۔ دنیا اس کو اصلی مصورِ فطرت، اصلی تھامس ہارڈی کو نظر انداز کر رہی تھی اور نئے ناول نویس کو جن کے ناول اس کے ناولوں کے مقابلے میں دسواں حصہ بھی سنسنی خیز نہ ہوتے تھے سر آنکھوں پر بٹھا رہی تھی۔"[۲]

محمد خالد اختر کا فن شگفتہ اور لطیف طنز و مزاح کی صورت اس ناول کے کرداروں کے ذریعے قاری تک پہنچتا ہے۔ ان کا اسلوب اور فنِ تخلیق دل موہ لینے والا ہے۔ وہ اپنی تمام اصناف کو فنی مہارت اور مکمل اعتماد کے ساتھ برتتے ہیں کہ پڑھنے والا متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ محمد خالد اختر کبھی اپنی تحریروں میں مزاح پیدا کرنے کے لیے لفظوں کا ہیر پھیر نہیں کرتے بلکہ ان کا انداز ہی کرداروں کو مزاح پیدا کرنے پر مجبور کرتا ہے:

"پروفیسر کو پہلے ایک نئے پرندے کی حیثیت سے مدھم تعجب سے دیکھا گیا۔ اور بعد میں بھلا دیا گیا، پھر بھی میرے خیال میں یہ خلعت کٹار کی زندگی میں تھوڑی سی دلچسپی ضرور لے آیا۔ گلیوں کے بچے اس کے پیچھے تالیاں بجاتے ہوئے بھاگتے۔۔اس کو ایک عجیب قسم کا الو سمجھتے ہوئے، جو اپنی ٹانگوں پر چلتا ہے۔ بعض اس کو خوف اور تعجب سے دیکھتے، اس کو کوئی جادوگر یا جن وغیرہ سمجھ کر گھروں کے اندر گھس جاتے۔ مجھے یاد ہے کہ ایک شام اس کے ساتھ مڈل وے سٹریٹ سے گزرتے وقت میں نے ایک چار سالہ بڑے سر اور لمبے کانوں والے لڑکے کو جو دبلے زرد شخص کی انگلی پکڑے تھا اپنے بڑے ساتھی سے دبے لہجے میں پوچھتے ہوئے دیکھا۔ "انکل! یہی وہ کاؤنٹ ڈریکولا ہے۔ جس کی کہانی آپ نے مجھے سنائی تھی؟"[۳]

"چاکیواڑہ میں وصال" کا کردار شیخ قربان علی کٹار جو اپنی محبوبہ کو اپنے قدموں میں لانے کے جتن کرتا ہے۔ جو کہ سراسر جو مزاح سے گندھی ہوئی کہانی ہے۔ محمد خالد اختر کی اس کہانی کا انجام جو ہوا سو ہوا لیکن قاری کو

اس ناول کی کہانی میں ہر سطر اور ہر لفظ میں چھپی شرارت اور مزاح کے ساتھ تبسم آفرینی بھی ملتی ہے۔ احمد ندیم قاسمی نے محمد خالد اختر کی اس کہانی کو بہترین شائستہ اور شگفتہ مزاح کا نمونہ کہا ہے۔ محمد خالد اختر نے کبھی اپنی تحریروں یا ناول میں مزاحیہ عنصر پیدا کرنے کی شعوری کوشش نہیں کی۔ جس کی وجہ سے ان کی کہانیوں اور کرداروں میں حقیقت کا رنگ نظر آتا ہے۔ ان کے کردار مزاح سے بھرپور اور ایک منفرد چاشنی پیش کرتے ہیں۔ محمد خالد اختر نے اپنے افسانوں، ناولوں، سفر ناموں اور مضامین وغیرہ میں اردو زبان کے علاوہ سرائیکی، پنجابی اور انگریزی الفاظ کی آمیزش سے خوبصورت اسلوب تخلیق کیا ہے۔ اس کے علاوہ ان کرداروں کے مکالموں میں محاورے، کہاوتیں اور تکنیک کا خوبصورت استعمال ملتا ہے۔ محمد خالد اختر نے اپنے ناول "چاکیواڑہ میں وصال" میں اکثر جگہوں پر قاری کو "پیارے پڑھنے والے" کہہ کر مخاطب کیا ہے۔ "چاکیواڑہ میں وصال" کے عجیب و غریب کردار انگریزی طرز کی مزاح پر مبنی ہیں لیکن محمد خالد اختر کسی بھی موڑ پر اپنی کہانی کے اصل مقصد کو نہیں بھولتے:

> "دوسرے دن صبح میں زیریں ہوٹل میں ڈبل روٹیوں کی قطاروں اور کیکوں کے مرتبانوں کی اوٹ میں لنگوٹا کسے پاکستان ریڈیو کی قوالی کے گت پر تیل کی مالش کرا رہا تھا، اور میرا دل ہمارے ریڈیو کے کارپردازان کے لئے شکریہ اور تعریف کے جذبات سے بھرپور تھا، جنہوں نے اقبال کی ایسی ایسی نظموں کو قوالی بنا کر دکھا دیا تھا جن کے متعلق کسی کو وہم و گمان نہیں ہو سکتا تھا کہ ان کی قوالی ہو سکتی ہے۔ میں نے سوچا کہ اگر اقبال زندہ ہوتا تو یہ امر اس کے لئے غالباً بے حد تسکین دہ اور مسرت بخش ہوتا۔ اس نے غالباً "پہاڑ اور گلہری"، "شکوہ" اور "جوابِ شکوہ" اور دوسرے شاہکار اسی لیے لکھے تھے کہ اس نے مرنے کے بعد بھلا قوال اور اس کے ساتھی انہیں دلنواز قوالیوں میں ڈھال کر علی الصباح ریڈیو پر سے نشر کیا کریں۔"[۴]

محمد خالد اختر نے مزاح کے کئی حربوں اور رنگوں کو اپنی تصانیف میں خوبصورتی سے پرویا۔ مزاح کو کردار سے پیدا کرنا محمد خالد اختر کے فن کی نمایاں خصوصیت ہے۔ ان کے تخلیق کردہ کرداروں میں شیخ قربان علی کٹار، عبدالحنان، بختیار خلجی اور سب سے بڑا کردار چچا عبدالباقی، مزاح سے بھرپور ہیں۔ اس ناول میں مرکزی کرداروں کے علاوہ ذیلی یا ضمنی کرداروں نے بھی مزاح کے لطیف چٹکلے چھوڑے ہیں:

> "اصل شرارت کی پہلی ملاہدی (بکرا) نے کی اس کے باوجود کہ وہ میرے پیالے سے چائے پیتا رہا تھا۔ اس کا دل میری طرف سے صاف نہ تھا۔ نہ جانے اچانک اس کے دماغ میں کیا وحشت سمائی کہ اس نے اگلی دو ٹانگوں پر کھڑے ہو کے میرے بالوں کو سونگھنا شروع کر دیا

(غالباً گھاس سمجھ کر)۔ میں نے گھبرا کر پہلے تو شرافت اور ملائمت سے باز رکھنے کی کوشش کی مگر بھر جب اس نے میرے کان کترنے کا ارادہ ظاہر کیا تو میں نے اسے پیچھے پھینک کر ہڑبڑا کر اٹھ کھڑا ہوا۔"[۵]

محمد خالد اختر نے اس ناول کے انتساب میں خاص طور پر دو چیزوں کا ذکر کیا ہے۔ ایک تو چاکیواڑہ، اس کا ماحول، رہن سہن اور دوسرا ابرٹ لوئی سٹیونسن، لیکن اس ناول کا حقیقی کردار "چاکی واڑہ" ہے۔ اس ناول میں صرف طنز و مزاح ہی نہیں بلکہ رومان، (suspense)، ایڈونچر، مجبوریاں اور حماقتیں ہیں۔ محمد خالد اختر نے اپنے ناول میں "کردار نگاری" کو فوقیت دی ہے بقول انور سدید:

"اس ناول میں پلاٹ بالکل ثانوی حیثیت رکھتا ہے اور اس لئے مصنف نے اس کی چولیں کسنے کی زیادہ سنجیدہ کوشش نہیں کی۔ ان کے ساری توجہ کرداروں پر ہی مرکوز رہی ہے اور انہیں بھرپور مزاحیہ کردار بنانے کے لئے رفتار، گفتار، نشت و برخاست و گفتگو، لباس اور ماحول سے پورا فائدہ اٹھایا ہے ان کے کرداروں کی تعمیر اتنی مکمل اور جانب دار ہے کہ ان کی ہئت کزائی کے باوجود ناول کے آخر میں ان سے ہمدردی کا جذبہ بیدار ہو جاتا ہے۔ شاید یہی مزاح نگاری کی معراج ہے کہ مزاح کے باوجود کرداروں کی تضحیک نہیں ہوتی۔"[۶]

ناول "چاکیواڑہ میں وصال" میں موجود کرداروں میں سے اہم اور مرکزی کردار دو ہیں، ان میں سے پہلا کردار اقبال حسین چنگیزی ہے جس کی زبانی اس ناول کو بیان کیا گیا ہے جو ادیب پرست ہے، یہی وجہ ہے کہ وہ ہر ادیب و مصنف کو اپنا ہیرو مانتا ہے۔ اقبال حسین چنگیزی اپنے نام کے ساتھ "چنگیزی" لگانے کی وجہ یوں بیان کرتا ہے۔:

"پہلے ہم چنگیزی نہیں تھے اور نہ ہی اس نام سے واقف تھے۔ ایک دفعہ میرے پدر بزرگوار جو سیالکوٹ میں محرر چونگی تھے، خاندانی پرانے مسودات کی ورق گردانی کر رہے تھے تو انہی مسودات میں سے انہوں نے یہ دریافت کیا کہ ہم تو چنگیزی ہیں یعنی کہ ہم اتنا عرصہ بغیر یہ جانے کہ ہم چنگیزی ہیں جیتے رہے۔ پدر بزرگ وار کا کہنا یہ تھا کہ ہمارا تعلق ہلاکو خان کی نسل سے ہے۔ ہم ہی اس کے صحیح اور جائز وارث ٹھہرتے ہیں اور ساتھ ہی یہ بھی کہا کہ اگر اس وقت تاریخ کا جو دھارا ہے درست سمت میں چلتا تو پدر بزرگ وار نے ہندوستان کا تخت سنبھالا ہوتا۔ مجھے تو اب تک اپنے پدر بزرگ وار کی اس تحقیق پر شک رہا ہے لیکن اگر محض چنگیزی

کہلانے سے ہماری رگوں میں شاہی خون دوڑ سکتا ہے تو اس میں کیا حرج ہے۔"[۷]

اقبال حسین "اللہ توکل بیکری" کا مالک ہے اور خود کو اس کا "مینیجنگ ڈائریکٹر" کہلواتا ہے اور اپنی اس بیکری کا نام رکھنے کی وجہ یہ بتاتا ہے کہ سرمایانہ ہونے کی وجہ سے اللہ پر بھروسہ اور توکل نیز یہ نام کافی حد تک تسکین آمیز ہے کہ ہر حال میں ساری ذمہ داری اللہ پر ہے۔ کردار اپنا بیانیہ اور لطیف انداز میں پیش کرتے ہیں۔ ناول کی یہی خوبی اسے قاری کی نظر میں معتبر ٹھہراتی ہے:

"چاکیواڑہ میں وصال" کا دوسرا اور اہم کردار شیخ قربان علی کٹار جو خود کو ایس-کیو علی کٹار کہلانا پسند کرتا ہے جو کہ اصل میں اس ناول کا ہیرو، روایتی قسم کا ناول نگار اور ایک ناکام ترین عاشق ہے۔ وہ سیاہ رنگت اور چہرے پر چیچک کے نشانات کی بدولت دلکش شخصیت قرار نہیں دیا جا سکتا۔ بقول ابنِ انشا:

> "ایک روایتی ناول نگار فدا علی خنجر کا عکس ہے اور اس میں نام کے صرف الفاظ ہی تبدیل کئے ہوئے ہیں۔ مفہوم و معانی وہی ہیں اس کا شمار ہم مضحک ترین کرداروں میں کر سکتے ہیں اور یہی دونوں کردار بعد میں لکھی جانے والی کہانیوں کے زبان زد قارئین "کرداروں" چچا باقی اور سادہ لوح بھتیجے بختیار خلجی کا پیش خیمہ ثابت ہوئے۔"[۸]

شیخ قربان علی کٹار نے اپنے گھر کے دروازے پر "مصور فطرت، نباض لسانیات، شاہ اسرار حضرت ایس-کیو علی کٹار گوجرانوالوی" کی تختی لگوا رکھی ہے۔ شیخ قربان علی کٹار ایسا کردار ہے جو ایک مدت تک بغیر نہائے غسل کئے اور کپڑے تبدیل کئے رہتا ہے کیونکہ اسے لگتا ہے کہ اگر کہ اگر ایک بار ٹائی کھول دیا اور نہایا تو پھر اسے دوبارہ نہیں باندھ سکے گا۔ قربان علی کٹار نے درجنوں عشق کئے اور کسی میں بھی کامیابی سے ہمکنار نہ ہوا۔ وہ ایک پردہ دار لڑکی کا ایک طرفہ عاشق ہے اور اس معاملے میں ابتدائی مراحل سے آگے نہیں بڑھ سکا۔ وہ ہمیشہ اپنے دوستوں کی شرٹوں اور قمیضوں سے مستفید ہوتا آیا ہے اور چنگیزی سے لیا گیا گاؤن اور پھندنے والے ٹوپی کو دن رات اس لئے پہنے رکھتا ہے کہ اس کی یک طرفہ محبوبہ کسی پروفیسر سے شادی کا ارادہ رکھتی ہے جبکہ دوسری طرف قربان علی کٹار کو لوگ اس مسلسل عجیب و غریب حالت میں دیکھ کر اس کو جادوگر، ڈریکولا اور الو قسم کی کوئی چیز سمجھتے ہیں۔ اصل میں قربان علی کٹار کی کہانی "ناکام عشق" سے متعلق ہے جسے کامیاب بنانے کے لئے سر دھڑ کی بازی لگانے کو تیار ہے اور کئی دنوں سے خود کو پروفیسر بننے کا بھوت سوار کئے ہوئے ہے۔ اور اس میں کامیابی کے لئے وہ پروفیسر شہوار خان سے "تعویز" لیتا ہے۔ مختلف طرح کی منصوبہ بندیوں میں وہ نوکری سے ہاتھ دھو بیٹھتا ہے۔ اس کردار کی ناہمواریوں اور صورتِ تضاد سے مزاح پیدا ہوتا ہے۔

قربان علی کٹار پروفیسر کے بتائے ہوئے طریقوں پر عمل کرتا ہے اور ساتھ ہی اپنے دوست اقبال حسین چنگیزی کے اسرار پر رضیہ نامی لڑکی کے باپ سے بات کرنے بھی چلا جاتا ہے جو کہ ایک ظالم قصاب ہے۔ یہی وجہ ہے کہ رشتے کی بات سنتے ہی وہ غصہ، ناگواری اور بگڑے تیوروں کے ساتھ ہاتھ سے ہوا میں چھرا لہرا کر اس کی طرف مڑتا ہے تو قربان علی کٹار کے منہ سے ڈر اور بوکھلاہٹ کے ساتھ ایک جملہ نکلتا ہے جو اس کی چالاکی اور بزدلی کو حسین امتزاج ہے۔:

"ایک سیر گوشت چاہیے! رانوں کا ہو۔"[۹]

اس ردِ عمل کے بعد قربان علی کٹار کی حالت کو اس طرح بیان کیا ہے:

"اس کے چہرے پر ایک مردے کی نظر تھی۔ جس نے ابھی ابھی کراماکاتبین سے ملاقات کی ہو اور اسے دوزخ کی خوشخبری دی گئی ہو۔"[۱۰]

"چاکیواڑہ میں وصال" اردو ادب میں اپنی طرز کا ایک الگ اور منفرد ناول ہے۔ یہ نہ تو ہر رومانوی، اخلاقی اور روایتی ناول کی طرح ہے اور نہ اس کے ہیرو اور ہیروئن باقی ناولوں کی طرح ہیں۔ بقول ڈاکٹر رؤف پاریکھ:

"خالد اختر کا مزاج ہلکا پھلکا اور پر لطف ہے، یہ صرف ہلکی سی مسکراہٹ پیدا کرتا ہے، بعض اوقات یہ مسکراہٹ بھی لبوں تک پہنچنے کی بجائے کہیں ذہن ہی میں دم توڑ جاتی ہے۔ اگرچہ ان کے ہاں بعض جملے بڑے اچھے اور پر لطف ہیں لیکن ان کی آمد طویل وقفوں کے بعد ہوتی ہے۔"[۱۱]

محمد خالد نے اپنی ملازمت کی خاطر کراچی میں قیام کے دوران چاکیواڑ ہشہر کا بغور جائزہ لیا۔ اور بستی چاکیواڑ ہکی پسماندگی کا جائزہ لیا۔ وہاں کے عجیب و غریب اور دلچسپ کرداروں اور طلسمی انگوٹھیاں بیچنے والوں، شعبدے بازوں اور رومانیت کے نقاشی کی ہے۔ جس سے اس بستی کی زندگی غرض سب کچھ کو زندگی بخشی اور زندہ و جاوید کر دیا۔ "پروفیسر شاہسوار" اور "قربان علی کٹار" کے حوالے سے رؤف پاریکھ لکھتے ہیں:

"محمد خالد اختر نے پروفیسر شاہسوار جیسے جعل ساز اور قربان علی کٹار جیسے مفت خورے کردار پیش کر کے نہ صرف ان کے صورت میں معاشرے میں ان جیسے لوگوں پر طنز کیا ہے بلکہ چاکیواڑ ہکے مقامی عناصر کو بھی پیش کر دیا ہے۔"[۱۲]

محمد خالد اختر کے ناول میں مقامی اثرات جا بجا ملتے ہیں۔ کراچی کے بیوپاری، چالاک سیٹھ اور دھوکے بازوں کو انھوں نے بخوبی پیش کیا ہے۔

"چاکیواڑہ میں وصال" کے دو مرکزی کرداروں میں ایک ادیب اور دوسرا ادیب پرست ہے، اسی بنا پر اقبال حسین کی دوستی شیخ قربان علی کٹار سے ہو جاتی ہے جو کہ تاریخ کی بے مثال اور ابدی دوستی ثابت ہوتی ہے اور اسی دوستی کو نبھانے کی خاطر اقبال چنگیزی کو بار بار ادھار دینے کی قربانی دینی پڑتی ہے جب کہ دوسری طرف شیخ قربان علی کٹار اسی دوستی کا فائدہ مختلف انداز سے اٹھاتا ہے۔ وہ کبھی دوستی کا واسطہ دے کر تو کبھی اقبال حسین کے اندر انسانی ہمدردی کا جذبہ پیدا کر کے تو کبھی روشن اور خوشحال مستقبل کی جھلک دکھا کے تو کبھی اپنے ناکام عشق کی داستانیں سنا کر (ادھار لینے آ جاتا)۔ جوتے، کپڑے، پیسے، گاؤن، ٹائیاں، ٹوپی اور بہترین کھانے کے ساتھ ساتھ مفت سینما دکھانے کی، اس طرح کی قربانیاں اقبال حسین نے بہت بار دیں اور لازوال دوستی کا ثبوت دیتا رہا۔ ناول میں اس طرح کی قربانیوں اور حیلہ سازیوں سے مزاح پیدا ہوا جس نے قاری کی دلچسپی میں اضافہ کیا۔ اور ادھار مانگتے وقت شیخ قربان علی کٹار کی کیفیت اور خوشی کو اس طرح بیان کیا گیا:

"ایسی نظر میں نے قربان علی کٹار کی آنکھوں میں کئی بار دیکھی یہ اس آدمی کی نظر تھی جو ادھار مانگنے لگا ہو۔"[۱۳]

ادھار لے کر واپس نہ کرنے والی عادت کو اس طرح بیان کیا گیا کہ:

"دوسروں کی اشیاء کو یوں ضمیر کی چبھن کے بغیر اپنا لینے کے مشکل آرٹ میں بہت کم اس کے مقابل آ سکیں گے۔"[۱۴]

محمد خالد اختر نے اس ناول میں دونوں مرکزی کرداروں کی لازوال اور ابدی دوستی کو بھی مزاح کے پیرائے میں پیش کیا ہے۔ مرکزی کردار اقبال چنگیزی اپنے دوست قربان علی کٹار کی فطرت سے اس قدر واقف ہے کہ محض قربان علی کٹار کے سگریٹ پیش کرنے سے ہی یہ جان لیتا ہے کہ یقیناً بہت بڑا کام ہے۔ جو کہ اس نے تین سال کی دوستی میں پہلی اور آخری بار کوئی چیز کی قربانی دی ہے۔

قربان علی کٹار اپنے عشق میں کامیابی حاصل کرنے اور محبوب کو اپنے قدموں میں لانے کے لئے ہزار جتن کرتا ہے۔ جس کا انجام تو پہلے سے ہی سب کو معلوم ہوتا ہے لیکن قربان علی کٹار کی انہی کاوشوں سے ناول میں تبسم آفرینی کے ساتھ شرارت اور مزاح پیدا ہوتا ہے۔ جہاں دو مرکزی کرداروں اور دوسرے مختلف ذیلی کرداروں کے ذریعے ناول میں مزاح پیدا کیا گیا ہے ان میں ایک ایسا کردار بھی ہے جس نے ناول کی فضا کو پر اسرار اور ساتھ ساتھ دلچسپ بھی بنا دیا ہے اور وہ کردار پروفیسر شاہسوار کا ہے۔

"پروفیسر شاہسوار اپنے پگڑ، سیدھی نوکیلی مونچھوں اور کاؤڈینیل ریشلو جیسی داڑھی کے

ساتھ ہمیشہ کی طرح ایک حقیقی جادوگر لگ رہا تھا۔"[۱۵]

پروفیسر شاہسوار کی وجہ سے ناول میں ایک عجیب و غریب صورتِ حال پیدا ہو جاتی ہے۔ وہ مختلف روپ دھار کر لوگوں کو بے وقوف بنانے میں لگا رہتا ہے اور پیر و عامل اور جادوگر کبھی جنات کی دنیا سے اپنا تعلق جوڑ لیتا ہے۔ ان تمام واقعات میں مزاح کے ساتھ ساتھ طنز بھی نظر آتا ہے۔ اور اقبال چنگیزی جیسا طنز کرنے والا بندہ بھی کبھی کبھی ان سب چیزوں کا قائل نظر آنے لگتا ہے اور یہ سب تجسس ناول میں آخر تک برقرار رہتا ہے۔ اور ناول کا اختتام بالکل آخری فقرے میں ایک زور دار قہقہے کے ساتھ ہوتا ہے جہاں قربان علی کٹار پروفیسر شاہسوار سے لی گئی انگوٹھی پر اپنے عمل کرنے میں اور اس کو ترتیب سے مکمل کرنے میں مشغول ہوتا ہے کہ اسے اچانک محبوب کے قدموں کی آواز سنائی دیتی ہے اور وہ محسوس کرتا ہے کہ اس کا عمل رنگ لایا دل کی خواہش پوری ہو گئی، اسے دیرینہ خواہش کی تکمیل کا سوچ کر دل میں ایک خوشگوار سا احساس پیدا ہوا، فرطِ جذبات سے وہ ہاتھ بڑھا کر اسے اپنے بازوؤں میں لے لیتا ہے۔ لائٹ جلانے پر پتہ چلتا ہے کہ وہ تو شیخ کٹار کا پالتو کتا ہے۔

اس ناول کا ایک اور دلچسپ کردار ڈاکٹر غریب محمد کا ہے جس کی تمام اسناد خود عطا کردہ ہیں، اس کے پاس ایک بیکار سی سٹیتھو سکوپ ہے جو وہ مریضوں اور باقی لوگوں کو متاثر کرنے کے لئے ساتھ رکھتا ہے۔:

"چاکی واڑیوں کو اس پر ایک بچوں کا سا عقیدہ تھا اور بہ نسبت کسی اور کی گولیوں کے وہ غریب محمد کی گولیوں سے جان دینے کو ترجیح دیتے ہیں۔۔۔ میں اعداد و شمار سے ثابت کر سکتا ہوں کہ پرامنیڈ کے پار کے قبرستان کو آباد کرنے میں غریب محمد کا کوئی کم حصہ نہ تھا۔"[۱۶]

ایک اور ذیلی کردار، ہیروئن رضیہ کا باپ عمر قصاب کا ہے:

"اس آدمی کی شکل بے حد سفاکانہ تھی۔ آنکھیں پرندے کی طرح گول اور معصوم تھیں۔ جبڑا مضبوط تھا اور ایک واضح جارحانہ طریق پر آگے بڑھا ہوا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کی جیسے اس شخص نے مونچھیں ہٹلر سے چھینی ہوں، جبڑا مسولینی اور آنکھوں کی بے وقوفانہ جھلک پریزیڈنٹ ٹرومین سے--- اس سے اس کی لڑکی کے رشتے کی بات کرنا گویا مرکھنے سانڈھ کو سرخ کپڑا دکھانے کے مترادف تھا۔"[۱۷]

محمد خالد اختر کے ناول میں کچھ کردار ایسے ہیں جن کے نام عجیب و غریب سے ہیں مثلاً نرگس بغدادی، شیخ اے-ڈی کھوکھر، مچھلی ماہی گیری، فرش لنگوری اور رزم حنائی وغیرہ۔ اس کے علاوہ بھی انہوں نے چند مزید ایسے

کرداروں کے نام بیان کئے ہیں جن میں "ہونے والا مظلوم" یا "چھجے دار رشتے دار" یہ سارا مزاج انھوں نے انگریزی ادب سے لیا ہے۔

محمد خالد اختر کی دوست فہمیدہ ریاض نے "چاکیواڑہ میں وصال" کو پڑھنے کے بعد رسالہ "فنون" میں شائع ہونے والے ایک مضمون میں ان الفاظ میں کچھ مشورے دیئے:

> "حقیقت یہ ہے کہ عام قاری کی رسائی ان تحریروں کے مواد تک نہیں ہوئی ہے اور اس کی واحد وجہ یہ جناتی ادبی اسٹائل ہے جو محمد خالد اختر نے اپنا لیا۔ محمد خالد اختر کو اپنی منتخب زبان پر نظرِ ثانی کرنے کی اشد ضرورت ہے جملوں کی انگریزی ساخت آخر کس لئے ؟۔"[۱۸]

محمد خالد اختر نے جب اپنی پہلی تحریر لکھنے کے بعد ناشر کے پاس بھیجی تو اس نے بھی یہی مشورہ دیا جس کے جواب میں محمد خالد اختر نے کہا:

> "میں تمھاری اس قابلِ قدر نصیحت پر عمل نہیں کر رہا کیوں کہ ایک مصنف خود اپنا آپ ہی رہنا چاہتا ہے۔۔ میرے نزدیک یہی زبان میری دنیا کے عجیب ایٹماسفئیر (Atmosphere) سے عہدہ برآ ہو سکتی ہے۔"[۱۹]

محمد خالد اختر نے ناول "چاکیواڑہ میں وصال" میں منفرد اور دلکش انداز اپنایا ہے۔ ان کے ناول میں ہیروئن اور ولن روایتی قسم کے نہیں ملتے، اور نہ ہی پرانے روایتی قسم کے واقعات کو دہراتے ہیں۔ اس ناول کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ محمد خالد اختر مزاح تو پیدا کرتے ہیں لیکن اوچھے ہتھکنڈے استعمال نہیں کرتے بلکہ ان کے اندازِ بیان میں شگفتگی لطافت اور چاشنی ملتی ہے جس سے قاری فرحت و انبساط محسوس کرتا ہے۔ محمد خالد اختر کا مشہور ناول "چاکیواڑہ میں وصال" کی ایک خاص بات یہ ہے کہ شیخ قربان علی گٹار نہایت ہی سنجیدگی کے ساتھ مزاح پیدا کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ اس ناول کے دیگر کردار بھی اپنی حرکات و سکنات کی بدولت الگ شناخت کے حامل ہیں۔

حوالہ جات

۱۔ محمد اجمل(ترتیب)، فیض احمد فیض، (آج، خصوصی شمارہ، ۵۲)، ص۵۳۹

۲۔ محمد خالد اختر، چاکیواڑہ میں وصال، لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۱۹۶۴ء، ص:۱۸۷

۳۔ ایضاً، ص:۱۹۶

۴۔ ایضاً، ص:۲۵۳

۵۔ ایضاً، ص:۱۶۹

۶۔ انور سدید، ڈاکٹر، اوراق، ماہنامہ لاہور، ۱۹۶۵ء، ص، ۲۹۵

۷۔ محمد خالد اختر، چاکیواڑہ میں وصال، ص:۱۷۲

۸۔ اجمل کمال، مجموعہ محمد خالد اختر، کراچی: آکسفرڈ یونی ورسٹی، پریس، ۲۰۱۱ء، ص:۵۲

۹۔ محمد خالد اختر، چاکیواڑہ میں وصال، ص:۲۱۲

۱۰۔ ایضاً، ص:۷۵

۱۱۔ رؤف پاریکھ، ڈاکٹر، اردو مزاح نگاری کا سیاسی اور سماجی پس منظر، کراچی: انجمن ترقی اردو، ۱۹۹۲ء، ص۳۷۷

۱۲۔ ایضاً، ص:۳۸۰

۱۳۔ محمد خالد اختر، چاکیواڑہ میں وصال، ص:۷۶

۱۴۔ ایضاً، ص:۱۷۳

۱۵۔ ایضاً، ص:۱۶۳

۱۶۔ ایضاً، ص:۲۶۵

۱۷۔ ایضاً، ص:۲۰۴

۱۸۔ شاہد حسن رضوی(مرتب)، طنز و مزاح کے تنقیدی افق، بہاول پور: اُردو اکیڈمی، ۲۰۰۱ء، ص:۲۹۸

۱۹۔ ایضاً، ص:۲۹۸